ABSTRACT

لاہور ایک ایسا خطۂ سرزمین ہے جو قدیم زمانے سے جغرافیائی، سیاسی، سماجی، تہذیبی، تمدنی، لسانی، روحانی اور ادبی حوالے سے اپنی منفرد پہچان رکھتا ہے۔ انہی تمام عوامل کو کسی ایک چیز میں تلاش کرنا چاہیں تو ادب کی صورت میں ایک ایسا آلۂ کار ہمیں میسر ہے جس میں یہ تمام رنگ اپنی مختلف جہتوں کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ ادب خواہ جذبے کی صورت میں شعر کا پیکر اختیار کرے یا اس میں فکر و خیال نثر میں ڈھل کر سامنے آئے تخلیقی روایت کی جہت کا یہ دھارا مذکورہ روایات کو خود میں سموئے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔

تحقیق، تخلیقی روایت کو اس کی اصل کے ساتھ چھان پھٹک کر دیکھتی ہے تو تنقید اسے معیار کی کسوٹی پر پرکھتی ہے۔ یوں تو تخلیقی اعتبار سے شاعری پہلے اور نثر بعد میں ظہور پذیر ہوئی لیکن میلان، رویے، رجحان اور تحریک کی صورت میں ایک مسلسل ارتقا دونوں میں کارفرما رہتا ہے۔ آج شاعری اور نثر دونوں میں موضوع، اسلوب، ہیئت اور فن کی سطح پر جو مہتمم بالشان سرمایہ میسر ہے اس کے پیچھے ایک پوری روایت موجود ہے جو تغیر و تبدّل سے ہمکنار ہوتی ہوئی مختلف صورتوں میں ہم تک پہنچی ہے۔ خطۂ لاہور میں تخلیق کی اس روایت کو شعری حوالے سے حافظ محمود شیرانی کے علاوہ ڈاکٹر گوہر نوشاہی اور ڈاکٹر علی محمد خان دریافت کرنے کی کامیاب کوشش کر چکے ہیں۔ جبکہ لاہور میں لکھی جانے والی نثر سے متعلق ایسی کوئی کاوش یا جستجو سامنے نہیں آئی۔ حالانکہ اردو نثر آج جس مقام پر فائز ہے اس میں لاہور نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اردو نثر کے آغاز و ارتقا پر بیشتر تحقیقی و تنقیدی کتب اور ادبی تاریخوں میں جنوبی ہند (دکن)، شمالی ہند (دہلی) لکھنؤ، فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج، غالب کی نثر اور سرسید تحریک کے منصۂ شہود پر آنے والی نثر پر ارتکاز کیا گیا ہے لیکن خطۂ پنجاب میں بالخصوص لاہور نے اردو نثر کے ارتقا میں جو خدمات انجام دی ہیں انہیں احاطۂ تحریر میں نہیں لایا گیا۔ حافظ محمود شیرانی نے قدیم نثری نمونے ''رسالہ ہزار مسائل'' اور ''پوتھی سلوتری'' نامی تصانیف کا ذکر کیا لیکن یہ پنجاب کے کس خطہ میں لکھی گئیں؟ اس ضمن میں نشاندہی نہیں ہو سکی۔ حافظ محمود شیرانی کی تحقیق و تدقیق کا متعد بہ حصہ پنجاب میں لسانیات اور اس میں بشمول لاہور کے شعرا کو گوشۂ گمنامی سے نکال کر ادبی دنیا میں متعارف کرانے پر مشتمل ہے۔ استثنائی صورتوں میں ڈاکٹر ممتاز گوہر کی کتاب ''پنجاب میں اردو ادب کا ارتقا'' میں محض اشارات سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر گوہر نوشاہی کی کتاب ''لاہور کے چشتی خاندان کی اردو خدمات'' میں بھی لاہور کی اردو نثر پر حوالے مل جاتے ہیں لیکن یہ چشتی خاندان تک محدود ہیں۔

لاہور، خطۂ پنجاب کا دارالحکومت ہونے کی وجہ سے سیاسی، سماجی، لسانی اور ادبی نمائندہ تھا۔ یہاں فارسی نثر کی مضبوط روایت کے ساتھ عربی، پنجابی اور اردو نثر لکھنے کا دستور بھی رہا ہے۔ بالخصوص اردو نثر کے آغاز و ارتقا پر کوئی واضح تحقیقی و تنقیدی

مطالعہ سامنے نہیں آ سکا اسی لیے ڈاکٹر سہیل احمد خان (مرحوم) نے "اردو نثر کے ارتقا میں لاہور کی خدمات" کے موضوع پر مجھے پی ایچ۔ڈی کا مقالہ تحریر کرنے کی ترغیب دلائی اور یہی امر میرے لیے تقویت کا باعث بنا کہ لاہور میں لکھی جانے والی اردو نثر کو دریافت کیا جائے۔ سن ستاون کے بعد لاہور مرکز کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے جہاں یو پی اور دیگر علاقوں سے اہل قلم حضرات نے لاہور کا رخ کیا۔ نیز انگریز حکمرانوں کی سرپرستی نے اسے ترقی کی نئی راہوں پر گامزن کیا۔

اردو نثر کی تاریخ میں پہلی بار اس مقالے میں تحقیقی وتنقیدی حوالے سے لاہور کی خدمات بالخصوص انیسویں صدی کے نصف دوم (۱۸۵۰ء۔۱۹۰۰ء) کو احاطۂ تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ حوالے تلاش کرنے اور اصل ماخذ تک رسائی میں روایتی مشکلات درپیش رہیں۔ اس کے باوجود تلاش وجستجو اور تنقیدی تجزیے سے لاہور میں اردو نثر کے واضح دستیاب شدہ ماخذوں کو اس تحقیقی مقالہ میں اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مقالہ سات ابواب اور ایک مجموعی جائزہ پر مشتمل ہے۔

باب اول "لاہور: تاریخ وتہذیب" میں عہد غزنوی سے کلونیل دور تک لاہور کی تاریخ وتہذیب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس باب میں لاہور کے نام اور اس کی تاسیس کے ساتھ اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کس طرح لاہور کو تاریخ میں جغرافیائی، سیاسی، سماجی، تہذیبی، تمدنی، روحانی اور ادبی مرکز کے طور پر اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس ضمن میں تاریخی واقعات کے تسلسل کا بالخصوص خیال رکھا گیا ہے۔ محمود غزنوی سے لے کر مغلوں کی آمد تک کے ثمرات؛ سکھوں کا عمل دخل، سکھا شاہی دور کی تخریب کاریاں اور الحاق پنجاب (۱۸۴۹) کے نتیجے میں تعمیر کی مختلف قوتوں کی کارفرمائی تاریخی تناظر میں پیش کی گئی ہے۔

باب دوم "نثری سرمائے کا پس منظر" ہے۔ جسے تین ضمنی عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ پہلے عنوان **"نثر اور نثری اسالیب"** میں نثر کیا ہے؟ نظم ونثر میں فرق؛ شاعری کے مقابل اس کی اہمیت؛ اقسام اور اسلوب پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے عنوان **"اردو ادب کا نثری سرمایہ (سن ستاون سے پہلے تک)"** میں اولیاء کرام سے لے کر مرزا غالب تک اردو نثر میں مذہبی، علمی، تنقیدی، تاریخی، قانونی، سائنسی اور ادبی موضوعات اور اسالیب کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔ باب کے تیسرے ضمنی عنوان **"پنجاب میں اردو نثر کے ابتدائی آثار"** میں یہ بتایا گیا ہے کہ خطۂ پنجاب میں اردو کس طرح بول چال کی سطح سے بلند ہو کر تخلیق کی زبان بنی۔ عہد غزنوی سے سکھا شاہی دور تک اولیا کے فقروں اور جملوں کے علاوہ صرف ونحو کے قواعد، شعرا کے کلام اور منظوم نصابی کتب سے بھی اس بات کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ اردو زبان کی بول چال کا وہ کون سا انداز ہوگا جو کسی نہ کسی سطح پر نثر میں بھی استعمال ہو رہا ہوگا چند استثنائی جملوں، "رسالہ ہزار مسائل" اور "پوتھی سلوتری" کے علاوہ یہاں نثر کی روایت نایاب رہی ہے۔ اس کے مقابلے میں اردو شاعری موضوع اور اسلوب کے حوالے سے بکثرت موجود ہے۔ لاہور میں سکھ عہد تک فارسی بدستور سرکاری زبان کے طور پر رائج تھی اور نثر میں تخلیقی اظہار فارسی ہی میں مروج ومقبول تھا۔ لاہور میں طباعت کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بیشتر نسخے قلمی ہوا کرتے تھے پھر اس حوالے سے مسجد وزیر خان اور کشمیری بازار کتابت کے بہت

بڑے مرکز تھے۔ کتابیات میں موجود مخطوطات کی دستیاب فہارس میں اردو شاعری اور نثر میں فارسی کے قلمی نسخے تو موجود ہیں لیکن اردو نثر میں کوئی مخطوطہ ۱۸۵۰ء سے قبل کا نہیں مل سکا۔ یہی وجہ ہے کہ بالخصوص لاہور میں تخلیق کردہ شعری مواد سے ہی یہاں بولی اور لکھی جانے والی اردو زبان کا اندازہ لگایا گیا ہے۔

باب سوم کا مرکزی عنوان "اردو نثر اور مرکز لاہور" (۱۸۴۹ء کے بعد کلونیل عہد میں اردو نثر کی ابتدا و فروغ) ہے جسے پانچ ذیلی عنوانات میں منقسم کیا گیا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے پنجاب کا الحاق (۱۸۴۹ء) ہی وہ نقطہ آغاز ہے جب خطہ لاہور کے لیے نہ صرف انتظامی ڈھانچہ مرتب کرتے ہوئے وسیع اصلاحی اقدامات کیے گئے بلکہ پریس کے قیام سے اردو نثر کی اشاعت کو بھی فروغ دیا گیا۔ انگریزوں کا لاہور میں فارسی کی جگہ اردو نثر کو رائج کرنا ایک بہت بڑا انقلابی قدم تھا۔ جس نے ایک طرف ان کے مقاصد (مفاہمت اور اعتماد کا رشتہ استوار کرنا) کی تکمیل کی تو دوسری طرف اردو نثر کو تخلیقی اعتبار سے مقبول و ہر دلعزیز بنا دیا کہ فارسی لکھنے والے بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ مولوی احمد بخش یکدلؔ ان میں سے ایک ہیں۔ ڈاکٹر ممتاز گوہر نے یکدلؔ کے تحریر کردہ چند جملوں کا ذکر انیسویں صدی کے نصف اول میں عہد رنجیت کے شعری نمونے کے طور پر کیا ہے جو درست نہیں ہے۔ مقالہ نگار نے تحقیقی و تنقیدی تجزیے کی بنا پر یہ ثابت کیا ہے کہ یکدلؔ کی اردو نثر کے نمونے بشمول ان جملوں کے ۱۸۵۶ء سے بھی بعد کے ہیں۔ لہٰذا حوالے کے طور پر دیے گئے جملے کسی بھی طرح عہد رنجیت سنگھ سے منسوب نہیں کیے جا سکتے۔

لاہور میں کمپنی کے افسران کی آمد اور انتظامیہ کی معاونت کے لیے ماتحت اور معمولی درجے کے ملازمین یو پی، بہار اور بنگال سے کمپنی کے ساتھ آئے یہ اردو بولنے اور سمجھنے والے لوگ اور کمپنی کے تربیت یافتہ تھے۔ کمپنی کے افسران بھی اردو بولتے تھے۔ انھوں نے اپنی آسانی کے لیے بھی لاہور میں فارسی اور پنجابی کی جگہ اردو کو فروغ دیا۔ اسے عدالتی اور ضلعی انتظامیہ کی زبان بنایا۔ یہیں سے اردو نثر کو فروغ ملنا شروع ہوا۔ چنانچہ کلونیل عہد میں اردو ورنیکلر زبان ہونے کی وجہ سے سب سے پہلے دفتری و انتظامی اور عدالتی امور میں استعمال ہونے لگی۔ جس سے اردو نثر میں سرکاری سمن، پروانے، احکامات، عدالتی فیصلے، قانونی کتب کے تراجم اور شرحیں منظر عام پر آنے لگیں۔ نیز "سرکاری اخبار" (۱۸۵۸ء) گنج شائگاں (۱۸۶۰ء)، "انوار الشمس" (۱۸۶۷ء)، اتالیق پنجاب (۱۸۶۹ء) وغیرہ نے بھی دفتری و قانونی نثر کو موضوع اور اسلوب کے حوالے سے فروغ دیا۔ ان سب باتوں کو **"دفتری، انتظامی و عدالتی اردو نثر"** کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ **"انجمن پنجاب اور اردو نثر"** کے زیر عنوان نثر میں پیدا ہونے والے جدید خیالات اور تحقیقی و تنقیدی شعور کا احاطہ کیا گیا ہے۔ حکومت کی ایما پر ڈاکٹر لائٹنر کی قائم کردہ "انجمن پنجاب" (۱۸۶۵ء) نے پہلی بار مجلسی تنقید کا آغاز کیا اور صحیح معنوں میں علمی، ادبی اور تنقیدی نثر کے فروغ کا باعث بنی۔ عوام الناس کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لیے ڈاکٹر لائٹنر، پنڈت من پھول، پنڈت رادھا کشن، بابو چندر ناتھ

متر، منشی ہرسکھ رائے، مولانا محمد حسین آزاد، بابو نوبین چندر رائے، فقیر سید جمال الدین اور منشی امین چند وغیرہ نے انجمن کے جلسوں میں اخلاق وتہذیب سے متعلق عمدہ مضامین لکھنے اور پڑھنے کی روایت کا آغاز کیا۔ مذکورہ احباب میں مولانا آزاد نے سب سے فعال کردار ادا کیا اور انجمن کے زیر اہتمام سائنسی، لسانی، تاریخی اور تنقیدی موضوعات پر سب سے زیادہ لیکچر دیئے جو باقاعدہ طور پر اس کام پر مامور کیے گئے تھے۔ اس سے نت نئے موضوعات کے ساتھ نئے اسالیب بیان بھی میسر آئے۔ نیز مولانا آزاد کی بیشتر تصانیف ''انجمن پنجاب'' کی ادبی نشستوں ہی کا نتیجہ تھیں۔ انجمن کے انہی جلسوں نے مولانا آزاد کو مغربی خیالات سے روشناس کرایا اور انہوں نے شاعری کے نئے تصورات پر لیکچر دیے جو جدید تنقید کا نقطہ آغاز بھی ہیں۔ اورئینٹل کالج یونیورسٹی لاہور کا قیام انجمن کا ایسا کارنامہ ہے جس سے بالواسطہ اور بلاواسطہ ریاضی، سائنس، طب، انجینئرنگ، قانون، منطق، اقتصادیات، لسانیات اور ادبی تراجم سے اردو نثر کے ارتقا کو تقویت دی۔ انجمن پنجاب ہی نے مولانا الطاف حسین حالی کو بھی جدید شعری وتنقیدی افکار وخیالات کو جاننے اور سمجھنے کا موقع دیا۔ انجمن نے ''انجمن اشاعت مطالب مفیدہ'' کے نام سے اپنے رسالے کا اجراء کیا جس میں انجمن کے جلسوں کی کارروائیاں؛ اس میں پڑھے جانے والے مضامین اور دیے جانے والے لیکچر شائع کیے جاتے تھے۔ اس رسالے نے علمی وادبی ذوق پروان چڑھانے کے ساتھ مضمون نگاری کی روایت کو فروغ دیا۔ جو مضامین نصاب سے متعلق ہوتے انہیں کمیٹی منظور کر کے اورئینٹل کالج یونیورسٹی کے لیے کتابی صورت میں شائع کر دیتی۔ یہ مضامین سائنس، تاریخ، جغرافیہ، سیاست، انجینئرنگ، طب اور علم وادب کے موضوعات پر مشتمل ہوتے تھے۔ اخبار انجمن پنجاب کے صفحات پر بابو نوبین چندر رائے اور پنڈت رشی کیش اردو نثر کے زود نویس کے طور پر ابھرتے ہیں۔ ۱۸۷۴ء میں جدید مشاعروں کے انعقاد سے عمومی خبروں کے ساتھ یہ مشاعرے بھی 'گلدستہ' کے نام سے ''اخبار انجمن پنجاب'' کے ضمیمے کے طور پر چھپنے لگے۔ اب انجمن پنجاب میں پڑھے جانے والے مضامین اور لیکچر ''انجمن مفید عام قصور'' (جو انجمن پنجاب ہی کی ذیلی شاخ تھی) کے ''رسالہ'' میں شائع ہونے لگے۔ رسالہ کے صفحات پر مولانا محمد حسین آزاد اور مولوی سیف الحق ادیب کے علاوہ مرزا مولوی محمد فتح بیگ، ڈپٹی غلام نبی خان، مولوی محمد دین، مرزا افضل بیگ، پنڈت رادھا کشن، کنہیا لال کپور، عبدالحکیم کلانوری، منشی غلام جیلانی، مولانا الطاف حسین حالی، منشی دوست محمد خان، برکت علی خان اور مولوی کریم الدین وغیرہ مضمون نگار کے طور پر متعارف ہوئے۔ اس ''رسالہ'' سے معیاری مضامین کا معتد بہ نثری سرمایہ وجود میں آیا۔ انجمن پنجاب نے انجمن سازی کی بھی تربیت کی۔ نتیجتاً اس کی تقلید میں بہت سی انجمنوں کا قیام عمل میں آنا بھی اردو نثر کے لیے سودمند ثابت ہوا۔ ڈاکٹر صفیہ بانو ''انجمن پنجاب تاریخ وخدمات'' نے انجمن پنجاب کے زیر اثر لکھی جانے والی جن نثری تحریروں کی فہرست دی ہے۔ مقالہ نگار نے تحقیق وتنقید سے یہ واضح کیا ہے کہ ان میں سے بیشتر انجمن پنجاب سے قبل منصفہ شہود پر آ چکی تھیں اور جن کا انجمن پنجاب یا اس کے اثرات سے کوئی تعلق نہ تھا۔

تیسرا حصہ ''تاریخ نویسی'' کے عنوان سے ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اگرچہ انگریز قوم یہاں کے باشندوں سے شکل

وصورت، رنگ ولباس، وضع قطع اور رسم ورواج ہر حیثیت سے جدا تھی لیکن انتظامی ضرورتوں کے تحت مقامی لوگوں کے قریب آنا اور ان کی تاریخ وتہذیب اور رسم ورواج سے آگاہ ہونا ان کے لیے ناگزیر تھا۔ اس مقصد کے لیے اردو زبان کے علاوہ تاریخ نویسی اہم ذریعہ تھی۔ ''یادگار چشتی'' (۱۸۵۸ء) مصنفہ مولوی نور احمد چشتی لاہور میں لکھی جانے والی اولین تاریخ ہے۔ تاریخ نگاری کی اس روایت کو دانستہ رواج دیا گیا۔ مقامی تاریخ وتہذیب سے شناسائی کے لیے دوسرا بہترین راستہ سفر ناموں کی صورت میں تلاش کیا گیا۔ یہ سفر نامے اس بات کے بھی غماز ہیں کہ انگریزوں کی آمد سے ذرائع آمدورفت نے راستوں کو سمیٹ دیا تھا۔ ''تحفۂ کشمیر'' (۱۸۵۲ء) سب سے پہلا سفر نامہ ہے جسے منشی ہر سکھ رائے نے فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ بعد ازاں ''سفر نامہ منشی امین چند'' وجود میں آیا۔ یہ پہلا طبع زاد سفر نامہ تھا اس لیے مقالہ نگار نے اس کا تفصیلی تحقیقی وتنقیدی تجزیہ کیا ہے۔ اس کے بعد دیگر سفر نامے لکھے گئے۔ اپنی نوعیت کے یہ نئے سفر نامے تھے جنہیں ''نئے اردو سفر ناموں کی نثر'' کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ ''مذہبی نثر'' کے ضمن میں یہ بتایا گیا ہے کہ عیسائی مشنریوں، علماء دین کی مذہبی سرگرمیوں اور تبلیغ اشاعت نے کس طرح اردو نثر کو موضوع اور اسلوب کے حوالے سے وسعت دی۔

باب چہارم ''کلونیل دور کی درسی کتب اور اردو نثر'' دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ''**محکمہ تعلیم**'' کے عنوان سے موسوم ہے۔ انگریزوں کو اپنے نوآبادیاتی نظام کو قائم رکھنے کے لیے افرادی قوت درکار ہوئی تو انہوں نے میجر فلر اور کرنل ہالرائیڈ کی سرپرستی میں محکمہ تعلیم (۱۸۵٦ء) قائم کیا اور درسی کتب کی تیاری کا اہتمام کیا گیا۔ اس کے لیے وقتاً فوقتاً انعامی مقابلوں کا اعلان اور ٹیکسٹ بک کمیٹی (۱۸۷۷ء) قائم کی گئی تھی۔ سن ستاون کے بعد یہی وہ پلیٹ فارم ہے جس نے موضوع اور اسلوب ہر دو حوالوں سے اردو نثر کو علمی، ادبی اور فنی اعتبار سے روز افزوں ترقی دی۔ ویسے بھی ۱۸۵۷ء کے بعد لاہور، علم و ادب کا بہت بڑا مرکز بن جاتا ہے۔ معیاری علمی، درسی ونصابی کتب کی تیاری اور تکمیل کے لیے یوپی سے تجربہ کار اہل علم حضرات کو لاہور لایا گیا جن میں بیشتر دہلی کالج کے قابل اساتذہ اور ہونہار طالبعلم شامل تھے۔ جو قدیم وجدید علوم کے ساتھ انگریز سرکار کے مقاصد کو سمجھتے تھے اور ان کی تکمیل میں معاون ثابت ہوئے۔ مولوی کریم الدین، ماسٹر پیارے لال آشوب، مولانا محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی، عزیز الدین خان، مولانا ضیاء الدین خان، منشی عزیز الدین اور آیا رام وغیرہ محض چند نام جنہوں نے نصابی ودرسی سلسلہ تصنیف وتالیف کو بہترین خطوط پر استوار کیا۔ اگرچہ نصابی کتب کی نثر کو فنکشنل نثر میں شمار کیا جاتا ہے لیکن اسی نے ادبی نثر کے لیے بنیاد فراہم کی۔ اس ضمن میں بالخصوص مولوی کریم الدین، مولانا محمد حسین آزاد اور پیارے لال آشوب کی نثری تخلیقات نے ادبی نثر کی آبیاری کی۔ یہی وجہ ہے کہ موضوع اور فن کے اعتبار سے ''رسوم ہند'' (۱۸٦۸ء) میں موجود قصے اولین افسانوں کی صورت میں دستیاب ہو جاتے ہیں۔ اولین مکمل تمثیل ''جوہر عقل'' (۱۸٦۴ء)، ناول نگاری کی ابتدائی صورت ''نصیحت کا کرن پھول'' (۱۸٦۴ء)؛ ''خط تقدیر'' کا دیباچہ فکشن کی ترقی پسندانہ اور رومانوی تنقید کا اولین نقش؛ تاریخ نگاری میں ''قصص ہند''؛ لسانی مباحث میں ''سخندان فارس'' (۱۸۷۲ء)؛

باقاعدہ اولین ادبی تاریخ وتذکرہ اور خاکہ نگاری میں ''آبِ حیات'' (۱۸۸۰ء)؛تمثیل وانشائیہ میں نیرنگ خیال (۱۸۸۰ء) کے علاوہ دیگر نصابی کتب نے بھی ادبی نثر کوفروغ دیا۔ نیز اس باب میں مقالہ نگار نے تحقیقی وتنقیدی حوالے سے اب تک پائی جانے والی اس غلط فہمی کودور کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ''قصص ہند'' (حصہ دوم) مصنفہ مولانا محمد حسین آزاد کسی بھی درسی مقابلے کے تحت تحریر نہیں کی گئی تھی۔ درسی وتدریسی مقاصد کی معاونت اور تکمیل اور بالخصوص تراجم کے لیے ''پنجاب بک ڈپو'' کا قیام عمل میں آیا۔ اس سے متعلق اہل علم اور ادباء کس قسم کا فریضہ انجام دیتے تھے اس کا ذکر اس باب کے دوسرے حصے ''پنجاب بک ڈپو'' میں کیا گیا ہے۔ پنجاب بک ڈپو میں انگریزی اور دیگر زبانوں کی کتابوں سے ترجمہ شدہ کتب کے ذخیرے کا واضح سراغ اور اس سے متعلق ضروری تفصیلات میسر نہ آسکیں اس لیے مقالہ نگار نے اس ضمن میں قیاسی تحقیق میں منطقی استدلال سے ایسی کتب کا تعین کیا ہے جن پر اغلب گمان ہے کہ وہ ''پنجاب بک ڈپو'' کی خدمت ہی کا نتیجہ ہوسکتی ہیں۔

باب پنجم ''**اردو نثر کی ترقی میں مطابع ،اخبارات ورسائل کا کردار**'' کے عنوان کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ مطابع اور اخبارات ورسائل کے اجراء نے اردو نثر کی ترویج واشاعت میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ان میں سے بیشتر کوحکومتی سرپرستی حاصل تھی۔ لاہور میں حکومتی سرپرستی میں قائم ہونے والا اردو کا پہلا مطبع اور جاری ہونے والا پہلا اخبار ''کوہِ نور'' ہے جس کے مہتمم اور ایڈیٹر منشی ہرسکھ رائے تھے۔ صحافت ہی کی آغوش میں علمی وادبی نثر نے اپنا رنگ روپ نکھارا۔ عام خبروں کے علاوہ تواتر سے مضمون نگاری، قسط وار ناول، تنقید نگاری، کالم نگاری اور طنز ومزاح کے سلسلوں کا آغاز اخبارات ورسائل ہی سے ہوا۔ اس زمانے میں ادب اور صحافت کا خوبصورت امتزاج دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ آج اردو نثر جس ترقی یافتہ صورت میں موجود ہے اس میں اخبارات ورسائل کا کردار نمایاں ہے۔ موضوعات اور اسلوب کے اعتبار سے ہر قسم کے اخبار اور رسالے کا اجراء کے سلسلہ نے اردو نثر کوتازہ کاری سے متصف کیے رکھا۔ اس باب میں ایسے ہی اخبارات ورسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔

باب ششم ''**انیسویں صدی کی آخری دودہائیاں**'' میں بتایا گیا ہے کہ اخبارات ورسائل اور درسی کتب کے نتیجے میں سوانح، ناول، ڈرامہ اور تراجم جیسی نثری اصناف فن اور اسلوب کی سطح پر اپنے خدوخال واضح کرچکی تھیں جن کا دائرہ نہ صرف لاہور بلکہ پنجاب بھر میں پھیل چکا تھا۔ نیز اس کے ساتھ طب، فلسفہ واخلاقیات، نفسیات، تاریخ اور دیگر متفرق موضوعات پر مشتمل کتب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تشکیل پاچکا تھا۔ نتیجتاً انیسویں صدی کے اواخر تک کوئی ایسا موضوع نہ تھا جو اردو نثر میں بیان ہونے سے رہ گیا ہو۔ مذکورہ ابواب میں انیسویں صدی کے نصف دوم میں تشکیل پانے والا یہی وہ نثری سرمایہ تھا جو لاہور کی خدمات کا نتیجہ تھا اور اب تک منتشر اور تاریکی میں تھا۔ جس میں ترقی پسندی، رومانویت اور جمالیات کے عناصر موجود تھے۔ وجود میں آنے والا مذکورہ نثری سرمایہ ہی وہ اہم کڑی اور بنیاد ہے جس پر آج اردو نثر کی مہتمم بالشان عمارت مضبوطی سے قائم ہے۔

باب ہفتم "بیسویں صدی میں اردو نثر کے امکانات" مقالے کا آخری باب ہے جو دراصل اردو نثر کے ارتقا میں لاہور کی خدمات کے پیش منظر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے چار حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ حصہ اول **"اخبارات و رسائل"** ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مخزن اور اس کی تقلید میں جاری ہونے والے اخبارات و رسائل نے موضوع اور اسلوب کی سطح پر نثر کو انقلابی جہت سے ہمکنار کیا۔ جن میں جدت تنوع اور جدید مغربی افکار و خیالات سے استفادہ کرتے ہوئے نت نئے تجربات کو خوش آمدید کہا گیا۔ ایک نئی بات یہ ہوئی کہ بیسویں صدی میں خالصتاً ادبی رسائل کا اجراء ہونے لگا۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جتنی بھی اصناف نثر ہیں سب کی سب ادبی رسائل کی آغوش میں پرورش پا کر توانا روایت کی صورت میں مقبول و معروف ہوئیں۔ بیسویں صدی میں سیاسی و سماجی شعور نے بالخصوص اخبارات و رسائل میں آزادی اظہار کو فروغ دیا۔ لسانیات، اقبالیات، غالبیات کے مستقل موضوعات اور تحقیقی و تنقیدی مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ اس صدی میں خالصتاً ادبی صحافت کو ترقی ملی۔ اس حوالے سے چند نمایاں اخبارات و رسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ **"علمی و ادبی انجمنیں، مجالس اور ادارے"** کے ضمن میں انجمن پنجاب کے تسلسل میں بیسویں صدی میں جاری رہنے والی انجمن سازی کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ ادبی مجالس اور ادبی بیٹھکوں نے کس طرح اردو نثر میں جدید خیالات کی رو کو قائم رکھا۔ نیز متنوع موضوعات پر علمی، سائنسی، اسلامی، تنقیدی، تحقیقی اور ادبی کتب شائع کرنے والے اداروں کی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ ان اداروں کے ترجمان کے طور پر جاری ہونے والے رسائل کا ذکر "اخبارات و رسائل" کے ضمن میں کیا گیا ہے۔ اردو نثر میں رومانوی، ترقی پسند تحریک اور حلقہ ارباب ذوق کے آزادانہ پلیٹ فارم سے پیدا ہونے والے نت نئے رویے، رجحانات مثلاً فطرت نگاری، نفسیات نگاری، اسلامی ادب، تہذیبی نظریے، لسانی تشکیلات، علامت نگاری اور تجریدیت نے موضوع اور اسلوب میں کبھی جمود نہیں آنے دیا۔ انہی عوامل کا احاطہ اجمالاً **"تحریکات و رجحانات"** کے عنوان کے تحت کیا گیا ہے۔ مذکورہ تحریکات و رجحانات کا سب سے زیادہ اثر افسانوی ادب پر ہوا۔ چنانچہ موضوع، اسلوب اور فن کے حوالے سے اس کی ارتقائی صورت کو اس حصہ میں پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس باب کے آخری حصہ **"اصناف نثر"** میں بیسویں صدی میں تحقیق و تنقید، ڈرامہ نگاری، طنز و مزاح، خطوط نویسی، خاکہ نگاری، کالم نگاری، خودنوشت سوانح، رپورتاژ، سفرنامہ اور انشائیہ کی مستقل صورت وجود میں آنے والی اصناف پر نگاہ ڈالی گئی ہے۔

مقالہ کے آخر میں جہاں **"مجموعی جائزہ"** لیا گیا ہے وہیں یہ باور کرایا گیا ہے کہ اردو کے ارتقا میں لاہور کی خدمات کو سرسید تحریک پر فوقیت حاصل ہے۔ لاہور کی علمی و ادبی فضا نے سرسید کو قومی، علمی اور ادبی حوالے سے تحریک دلائی۔ کتابیات کے ضمن میں اس بات کی صراحت ضروری ہے کہ محکمہ تعلیم کی جانب سے شائع ہونے والی کچھ کتابیں ایسی دستیاب ہوئیں جن پر مصنف کا نام موجود نہیں تھا۔ لہٰذا ان کا اندراج مصنف نامعلوم کے تحت کیا گیا ہے۔ سب سے آخر میں چار ضمیمے دیے گئے ہیں۔ ضمیمہ (ا) مولانا محمد حسین آزاد کی تحریر کا خطی عکس ہے جو اس عہد کے علمی و ادبی مباحث اور انداز تحریر کا بھی عکاس ہے۔

ضمیمہ (۲) میں ۹ اپریل ۱۸۷۴ء کے "پنجاب گزٹ" سے پنجاب بک ڈپو کے تحت شائع ہونے والی کتب کی فہرست درج کی گئی ہے۔ ضمیمہ (۳) انیسویں صدی کے نصف دوم کے اخبارات و رسائل جبکہ ضمیمہ (۴) بیسویں صدی کے اخبارات و رسائل کی فہرست پر مشتمل ہے جو کتابیات میں موجود صحافت کی تاریخوں سے مرتب کی گئی ہے۔ اس کا مدعا یہ تھا کہ اندازہ لگایا جا سکے کہ درحقیقت انہی نے اردو نثر کے ارتقا میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ چونکہ بیشتر اخبارات و رسائل متعدد بار بند اور دوبارہ جاری ہوئے مگر یہ کب تک جاری رہے اس بارے میں حتمی معلوم نہ ہو سکا اس لیے مذکورہ فہرست میں صرف سن اجراء پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔

زیرِ نظر مقالہ میں اردو نثر کے ارتقا میں لاہور کی خدمات کے حوالے سے نہ صرف اس کے ماضی (انیسویں صدی کے نصف دوم) کو تابندہ کیا گیا ہے بلکہ بیسویں صدی پر بھی نگاہ رکھی ہے تاکہ بیک نظر یہ دیکھ سکیں کہ اردو نثر کن راستوں سے گزری اور فکری، علمی، تخلیقی، فنی اور اسلوبیاتی سطح پر کن رویوں، میلانات و رجحانات سے شناسا ہوئی۔ آخر میں اتنی سی تعلّی کی اجازت ضرور چاہوں گی کہ اس مقالہ کی صورت میں پہلی بار اردو نثر کے ارتقا میں لاہور کی خدمات کا احاطہ کرتے ہوئے دہلی، لکھنؤ، حیدرآباد، دکن اور سرسید تحریک کے تحت وجود میں آنے والی نثر سے اس کی الگ اور منفرد پہچان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہی وہ اہم کڑی تھی جو آج سے پہلے مفقود تھی۔ لہٰذا اب سے اس نئی کڑی کو سرسید تحریک سے پہلے جوڑ کر ہی مجموعی طور پر اردو نثر کے ارتقا کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے گا۔ تحقیق میں کوئی بات حرفِ آخر نہیں ہوتی اور یہی اس کا حسن ہے لیکن اس کے باوجود امید ہے کہ میری اس تحقیقی و تنقیدی کاوش کو سراہا جائے گا۔

مقالے کی تکمیل پر سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کی بے حد شکر گزار ہوں کہ اس ذات باری تعالیٰ نے پنجتن پاک کے صدقے مجھے اس مقالے کو مکمل کرنے کا حوصلہ، ہمت اور توفیق عطا فرمائی اور انسانوں کو میرے لیے وسیلہ بنایا۔ ان سب کا شکریہ مجھ پر واجب ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ میرے والدین (اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ آمین)، میری نانی اماں اور خالہ کی دعاؤں کا ثمر ہے ان کے لیے دل سے ڈھیروں دعائیں نکلتی ہیں۔ تحقیقی مراحل کے دوران آخر الذکر دو ہستیوں کی وفات کا جانکاہ صدمہ بھی مجھے برداشت کرنا پڑا جو والدین کے بعد میرے لیے شجر سایہ دار تھیں (اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین)۔ اپنے بہن بھائیوں بالخصوص شازیہ، فوزیہ، سنیہ، سارہ، محمد زبیر، اور محمد شہباز کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے نہ صرف میری حوصلہ افزائی کی بلکہ مجھے یکسوئی سے کام کرنے کے مواقع فراہم کیے اور میرا بھرپور ساتھ دیا۔ میں نثار حسین صاحب کی بھی بے حد ممنون احسان ہوں جن کی ذات، دکھ اور پریشانی کے عالم میں وسیلۂ رحمت بنی۔ ان کی ہمت افزائی، دعاؤں، نیک تمناؤں اور خلوص نے میرا حوصلہ ہمیشہ بلند رکھا۔ میں ان کے لئے بے حد دعا گو ہوں۔

میں ڈاکٹر خالد آفتاب (وائس چانسلر، جی سی یو) کی شکر گزار ہوں جنہوں نے ہمیشہ نہ صرف طلباء بلکہ اساتذہ کے

لیے بھی علم کی جستجو اور تحقیق کے یکساں مواقع فراہم کیے ہیں۔ ان کی وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی نے اس تحقیقی مقالے کی تکمیل میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ صاحبزادہ فیصل خورشید (رجسٹرار، جی سی یو) کے کلمات خیر اور دعا کے لیے ان کی بھی سپاس گزار ہوں۔ اس تحقیقی موضوع کو تفویض کرنے پر میں ڈاکٹر سہیل احمد خان (مرحوم) کے لیے بہت دعا گو ہوں۔ اپنے اساتذہ ڈاکٹر معین الرحمٰن (مرحوم)، ڈاکٹر نیر صمدانی (مرحوم)، ڈاکٹر معراج نیر زیدی (مرحوم)، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر اصغر ندیم سید، ڈاکٹر محمد خان اشرف، ڈاکٹر شفیق عجمی، ڈاکٹر طارق حسین زیدی کی احسان مند ہوں کہ انہوں نے مجھے علم کے حصول اور تحقیق و تنقید کا سلیقہ سکھایا۔ بالخصوص ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی ممنون احسان ہوں جن کہ رہنمائی، مفید مشورے، خلوص اور حوصلہ افزائی تحقیق کے اس کٹھن راستے پر مشعل راہ ثابت ہوئی۔ انہی کی ذات نے مجھ میں خالصتاً تحقیقی جستجو کا شوق پیدا کیا۔ اس مقالہ کی تیاری میں اپنے نگران کار ڈاکٹر سعادت سعید کی بے حد ممنون ہوں جنہوں نے تحقیقی مراحل میں مجھے سوچنے کے متنوع زاویے دیے اور تحقیق کی نئی راہیں سجھائیں اور جن کی مہربانی، توجہ اور حوصلہ افزائی قدم قدم پر میرے ہمرکاب رہی ان کی شفقت سے بھرپور باز پرس نے مقالے کی تکمیل کو ممکن بنایا۔ جی سی یونیورسٹی کی لائبریری سے بھرپور استفادے کے لیے میں عبدالوحید صاحب (چیف لائبریرین)، محمد نعیم صاحب (سینئر لائبریرین) اور عملہ لائبریری کی بے حد شکر گزار ہوں۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے استفادے کے لیے اجازت مرحمت فرمانے پر ہارون عثمانی صاحب (انچارج اورئینٹل سیکشن) کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں۔ وقتاً فوقتاً ہمت افزائی کرنے پر ڈاکٹر اختر علی میرٹھی، ڈاکٹر سید مرتضٰی زیدی، ڈاکٹر ہارون قادر، ڈاکٹر ثاقف نفیس، پروفیسر محمد فاروق، ڈاکٹر خالد محمود سنجرانی، تبسم عاصم، صائمہ ارم اور فرح کی ممنون ہوں۔ جی سی یو میں پروفیسر عظمت، محمد فاروق (چیف پروکٹر) اور پروفیسر یوسف بشیر کی دعاؤں اور حوصلہ افزائی کرنے پر ان سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ حوصلہ بڑھانے اور کمپوزنگ کے مرحلے کو خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل پہنچانے پر عابد صدیقی صاحب کی بھی بہت شکر گزار ہوں۔